مولانا عبداللطیف مدنی
استاذ الحدیث جامعہ عربیہ چنیوٹ

درسِ حدیث

ایمان سب پریشانیوں کا علاج ہے

ایمان کے لغوی معنی:

ایمان ''امن'' سے باب افعال ہے اور امن خوف کی ضد ہے تو ایمان کے معنی ہوئے مطمئن اور بے خوف کر دینا، اور ایمان لانے کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ ایمان لانے والا اس کو جس پر ایمان لایا ہے اپنی تکذیب ومخالفت سے بے خوف اور مطمئن کر دیتا ہے۔ مومن کو بھی مومن اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ اپنی جان ومال کے بارے میں اس سے مامون اور بے خوف ہوتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَه النَّاسُ عَلیٰ دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ (مشکوٰۃ)

مومن وہ ہے کہ جس سے لوگ اپنی جان اور مال کے بارے میں مامون رہیں۔ مومن نے ایمان لاکر جب اپنی تکذیب سے بے خوف کر دیا تو اب اس کے لیے ضروری اور لازم ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور مان لے...... حاصل یہ ہے کہ ایمان صرف جاننے، پہچاننے کا نام نہیں بلکہ ایمان کی تصدیق قلبی یعنی قبول کرنے اور ماننے کا نام ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَمَااَنْتَ بِمُوءٍ مِنٍ لَّنَا وَ لَوْ کُنَّا صَادِقِیْن. (یوسف)

اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں

ایمان کے شرعی معنی:

شریعت میں تمام ضروریاتِ دین کے ماننے کا نام ایمان ہے۔ امام شافعی، امام بخاری اور اکثر محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور اعمال جوارح کا نام ہے یعنی ایمان تین اجزاء سے مرکب ہے مگر سب کی جزئیات یکساں نہیں۔ تصدیق قلبی اصل الاصول ہے۔ اقرار لسانی اور اعمال اجزاء تکمیلی ہیں۔ اجزاء حقیقی نہیں جن کے نہ ہونے سے ایمان زائل ہو جاتا ہو۔ اس سے واضح ہو گیا کہ احناف، شوافع اور محدثین میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور یہ اختلاف کہ ایمان بسیط ہے یا مرکب۔ اس کا نتیجہ ایک ہی ہے اور یہ صرف لفظی اختلاف ہے جو اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے ظہور پذیر ہوا۔ کیوں کہ احناف کے زمانہ میں معتزلہ اور خوارج تھے جو عمل نہ کرنے والے کو کافر کہتے تھے جس سے مایوسی پھیل رہی تھی کہ عمل نہیں ہوگا تو ایمان ختم اور جنت نہیں ملے گی۔ ایمان پر قائم رہنا ہمارے بس میں نہیں اس لیے احناف نے

کہا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور شوافع ومحدثین کے زمانہ میں مرجیہَ تھے جو اعمال کو بالکل نہیں مانتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کا مشہور مقولہ ہے کہ ''طاعت کا کوئی فائدہ نہیں اور معصیت کا کوئی نقصان نہیں ''اس لیے شوافع اور حضرات محدثین نے فرمایا کہ ایمان مرکب ہے تین اجزاء سے، مگر اس ظاہری اختلاف کا نتیجہ ایک ہی ہے کیونکہ اعمال کی اہمیت اور ضرورت پر سب کا اتفاق ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اعمال چھوڑ دینے سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ البتہ معتزلہ اور خوارج ایمان کو ایسا مرکب مانتے ہیں کہ اگر کوئی اعمال نہ کرے تو معتزلہ کے نزدیک ایمان سے نکل جاتا ہے اور خوارج کے ہاں کافر ہو جاتا ہے اور مرجیہَ کے نزدیک اعمال کی بالکل ضرورت نہیں، صرف تصدیق قلبی کافی ہے اور کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار لسانی کا نام ہے جو نجات کے لیے کافی ہے۔

اسلام:

اس کے لغوی معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں اور شریعت میں انقیاد ظاہری اور اعمالِ اعضاء کا نام اسلام ہے۔ رہی بات کہ شریعت کے لحاظ سے ایمان اور اسلام میں ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ایک عمدہ کلیہ ملاحظہ فرمائیں کہ ''الایمان و الاسلام اذااجتمعاتفرقا و اذا تفرقا اجتمعا ''یعنی ایمان واسلام اگر دونوں کا ایک ساتھ ذکر ہو تو وہ الگ الگ ہوتے ہیں یعنی ایمان سے تصدیق اور اسلام سے اعمال مراد ہوتے ہیں اور اگر دونوں الگ الگ مذکور ہوں تو وہ جمع ہو جاتے ہیں یعنی ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کتب حدیث میں نماز جنازہ کی مشہور دعا میں دو جملوں '' فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَام'' اور فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَان سے دونوں لفظوں کا باہمی فرق واضح ہو رہا ہے کہ زندہ رہنے والوں کے لیے اسلام یعنی انقیاد ظاہری اور اعمال اعضاء کی توفیق کے لیے دعا اور مرنے والوں کے لیے ایمان پر وفات کی دعا ہے۔ اس سلسلہ میں رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی تعبیر نہایت عمدہ ہے فرمایا: ''کہ ایمان واسلام دونوں کی مسافت ایک ہے صرف ابتداء وانتہاء کا فرق ہے اس طرح کہ ایمان (تصدیق قلبی) جب پھوٹ پھوٹ کر اعضاء پر نمودار ہو جائے تو وہ اسلام ہے اور اسلام جب رچ رچ کر دل میں اتر جائے تو وہ ایمان ہے۔ ایمان قلب سے شروع ہو کر قالب تک پہنچا اور اسلام قالب سے شروع ہو کر قلب تک پہنچا تو دونوں کی مسافت ایک ہے البتہ ہر ایک کی ابتداء دوسرے کی انتہا ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْا هَاعَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ .وفی الباب عن جابر وابی سعید وابن عمر. قال ابوعیسیٰ هٰذا حدیث حسن صحیح . (الترمذی کتاب الایمان، جلد دوم، حدیث نمبر ۲۶۰۶)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خدا کا یہ حکم ہوا ہے کہ میں (کافرلوگوں) سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب وہ یہ اقرار کرلیں گے تو انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے بچالیا۔ مگر اسلام کے حق سے اور ان کے (دلوں کی باتوں کا) حساب اللہ پر رہے گا۔ اس باب میں حضرت جابر، ابوسعید اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

تشریح:

جو شخص کلمہ پڑھ کر ایمان واسلام کے دائرہ میں داخل ہوجائے یا سرکشی ودشمنی ترک کر کے اسلامی ریاست میں رہنے کے حقوق حاصل کرلے تو اس کے جان ومال اور عزت آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہوگی۔ اس کی جان ومال لینا ممنوع اور حرام ہے لیکن اگر وہ کسی کو ناحق قتل کردیتا ہے تو اس کو قصاص (سزا) میں قتل کردیا جائے گا یا ایسے ہی کوئی بدکاری وزنا کرے گا تو اس پر حد جاری کی جائے گی یا اگر کسی کا مال زبردستی ہڑپ کرلیا تو اس سے مالک کو واپس دلایا جائے گا۔ اگر وہ اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو ضرور سزا پائے گا۔ غرض یہ کہ اسلامی حقوق اور قوانین کے نفاذ کے معاملہ میں کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ حدیث کے آخری جملہ ''حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ'' سے معلوم ہوا کہ شریعت اپنے نفاذِ قانون میں ظاہر پر حکم لگاتی ہے اور باطنی حالت اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوتی ہے کہ اگر کوئی جان ومال کی حفاظت یا کسی فائدہ کے پیش نظر بظاہر مسلمان ہوگیا مگر دل میں کفر ونفاق ہے تو آخرت میں کھوٹ اور نفاق کی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت اور امان میں رکھے۔ (آمین)

☆☆☆

قطعات

جو جرنیل سارے میرے ہم نوا ہیں
کرشمہ ہیں میری ''سلیکشن سکِل'' کا
نکلنا نہ چاہوں میں وردی سے باہر
کفن چاہیے مجھ کو خاکی ''ڈرل'' کا

عام حالات میں دھیما دھیما چلتا ہے
ٹکڑوں پہ صدقات کے اکثر پلتا ہے
جب بن جاتا ہے یہ درباری مُلّا
دو کروڑ سے کم پر کب یہ ٹلتا ہے

[میجر (ر) محمد سعید اختر]